تمام ذمہ داری حکومت کی ہے!

ذرا ہٹ کے

☆☆☆

یاسر پیرزادہ

SMS: #YPC (space) message & send to 8001

yasir.pirzada@janggroup.com.pk

پاکستان کے مایہ ناز کامیڈین بوبرال کی عمر صرف سینتالیس برس تھی جب کینسر کے موذی مرض نے ان کی جان لے لی ، مرحوم نے پسماندگان میں ایک بیوہ اور چار بچے چھوڑے جن میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، بڑی بیٹی تعبیر جس کی عمر سترہ سال ہے ایک اسکول میں اولیول میں پڑھ رہی تھی جب بوبرال کی بیوہ نے مالی حالات سے مجبور ہو کر اسے اسکول سے اٹھالیا، آج کل تعبیر ڈانس سیکھ رہی ہے تا کہ وہ اسٹیج پر رقص کر کے اپنے گھر کا خرچہ چلا سکے ، اس سے پہلے تعبیر نے کوشش کی کہ وہ کپڑے سی کر یا بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر کچھ پیسے کما سکے مگر اس سے بات نہ بنی تو تعبیر نے اسٹیج پرفارمنس کا رخ کیا۔ اس وقت یہ خاندان پانچ سو پینتالیس مربع فٹ کے کرائے کے مکان میں رہائش پذیر ہے اور اچھے وقت اور حکومت کی امداد کا منتظر ہے۔

بوبرال اور ان جیسے تمام فنکاروں اور ان لوگوں کے دکھ ناقابل بیان ہیں جو اپنے خاندان کے واحد کفیل تھے مگر جس روز انہوں نے موت کی چادر اوڑھی اسی دن ان کے گھر والوں کے لئے اذیت کی زندگی کا سفر شروع ہو گیا۔ بلاشبہ ایک مثالی ریاست میں یہ ذمہ داری حکومت کی ہوتی ہے کہ وہ اپنے شہریوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ کوئی شخص غربت کی وجہ سے پڑھائی چھوڑنے پر مجبور نہ ہو، بیروزگاری کی صورت میں ان کی مناسب کفالت کی جائے، ان کے پاس سر چھپانے کے لئے جگہ ہو اور انہیں دو وقت کی روٹی کمانے کے لئے کسی سیٹھ کے سامنے گھنگھرو باندھ کر ناچنا نہ پڑے۔ تعبیر تو بوبرال کی بیٹی ہے جس کی وجہ سے خبر چھپ گئی وگرنہ کتنی ہی لڑکیاں ایسی ہیں جن کے خوابوں کی تعبیر اس وجہ سے ادھوری رہ جاتی ہے کہ ان کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا۔ مگر بدقسمتی سے ہم کسی مثالی ریاست کے شہری نہیں سو ہمیں اپنی زندگیاں اسی سفاک معاشرے کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ بوبرال کا تخلیقی سفر پچیس برس پر پھیلا ہوا ہے، اس دوران انہوں نے بے پناہ عروج دیکھا، دنیا بھر میں سٹیج ڈراموں میں پرفارم کیا، لاکھوں روپے معاوضہ لیا، مگر افسوس کہ انہوں نے اپنی زندگی میں تعبیر کے نام کا کوئی فنڈ، سیونگ اکاؤنٹ یا کوئی ایسی سرمایہ کاری نہیں کی جو آج اس بچی کے کام آتی جو یہ کہنے پر مجبور ہے کہ حکومت نے ہمارے لیے کچھ نہیں کیا! میں یہ لکھنے سے قاصر ہوں کہ خود بوبرال نے اپنی زندگی کے ساتھ کیا کچھ کیا اور کس وجہ سے چالیس برس کی عمر میں ان کے گردے فیل ہو گئے! کاش اپنی زندگی کے ساتھ یہ کھلواڑ کرنے سے پہلے بوبرال نے تعبیر اور باقی بچوں کے بارے میں کچھ سوچا ہوتا!

کیا کسی کو مہدی حسن مرحوم کی بیماری کے آخری ایام یاد ہیں؟ ان دنوں میڈیا میں اس بات کا بہت چرچا ہوا کہ ایک عظیم فنکار اسپتال میں ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مر رہا ہے جس پر حکومت کے کئی عہدے داروں نے ان کی خدمت میں چیک پیش کئے جو کہ بہت اچھی بات تھی مگر خود خان صاحب نے کئی دہائیوں تک پاکستانی موسیقی پر راج کیا، بیرون ملک ان گنت میوزک شوز کئے ، بہت پیسہ کمایا مگر اس کے بعد سوائے بچے پیدا کرنے کے اور کوئی سیونگ نہیں کی، مرحوم نے پسماندگان میں چودہ بچے چھوڑے! آج کامیڈی کا بے تاج بادشاہ امان اللہ زندہ ہے، خدا اسے طویل عمر اور صحت دے ، کل کو اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو ایک مرتبہ پھر پورا میڈیا دہائی دے گا کہ حکومت نے اس عظیم فنکار کے لئے کچھ نہیں کیا جبکہ موصوف خود اپنے لئے جو کچھ کر رہے ہیں اس کا اندازہ ان کی تین عدد بیویوں (جن میں سے اب دو حیات ہیں) اور چودہ بچوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

اور یہ بات صرف فنکار برادری کی نہیں، ہمارا عمومی رویہ بھی یہی ہے، ہمارا ہر جملہ اس بات سے شروع ہوتا ہے کہ ''گورنمنٹ'' کو چاہئے کہ فلاں کام کرے جبکہ جو کام ہمارے کرنے کے ہیں اس کی کسی کو پروا نہیں۔ یہ جو ہم ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ کر کے پورا نہیں کرتے، کبھی کسی جگہ وقت پر نہیں پہنچتے، ایک دوسرے کو کرخت نظروں سے گھورتے ہیں، مسکراہٹوں کا تبادلہ نہیں کرتے ، غلطی پر معذرت نہیں کرتے، سچ نہیں بولتے، اس جگہ بجلی کی بچت نہیں کرتے جہاں بل دینا ہماری ذمہ داری نہ ہو، صفائی کا خیال نہیں رکھتے، زندگی کی کوئی منصوبہ بندی نہیں کرتے..... کیا یہ سب کام کرنے سے ہمیں حکومت نے روک رکھا ہے؟ کیا دنیا بھر میں ان کاموں کے لئے قانون پاس کر کے ڈنڈے کے زور پر عمل کروایا جاتا ہے؟ ایک عجیب وطیرہ ہم نے اپنا لیا ہے کہ ہر خرابی کی ذمہ داری حکومت پر ڈال کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں کہ حکومت کچھ نہیں کرتی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حکومت اور عوام دونوں اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے۔ ہم نے یہ فرض کر لیا ہے کہ قانون پر عمل اسی صورت میں ضروری ہے جب پولیس کا ہر کارہ گرفتار کرنے گھر تک آجائے، سچ اسی وقت بولا جائے جب کوئی مجبوری آن پڑے اور ٹریفک قانون پر اسی وقت عمل کیا جائے جب موٹروے پولیس کی طرح سختی کی جائے۔ مجھے اکثر کالج یا یونیورسٹی کے نوجوانوں سے ملاقات کا موقع ملتا رہتا ہے، ان کا یہی رونا ہوتا ہے کہ سسٹم کرپٹ ہے، حکومت کچھ نہیں کرتی، ہر طرف لاقانونیت ہے، ایسے میں ہم کہاں جائیں! جواب میں ایک سوال میں ضرور پوچھتا ہوں کہ آپ میں سے کتنے لوگوں کی جیب میں اس وقت ڈرائیونگ لائسنس ہے تا کہ اندازہ ہو سکے کہ خود آپ لوگ قانون کی کتنی پاسداری کرتے ہیں تو زیادہ تر لوگ بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ ایک نوجوان نے اس بات کا جواب یہ دیا کہ سر جب کسی کو ڈرائیونگ لائسنس نہ بنوانے پر سزا ہی نہیں دی جاتی تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ لائسنس بنواتا پھروں! یہ جواب خلاصہ ہے ہماری بیمار ذہنیت کا۔ گویا ہمیں اس بنیادی اصول کا ہی ادراک نہیں کہ قانون پر عمل کرنا ہر شہری کا بنیادی فرض ہے چاہے وہ کسی کی پکڑ میں آئے یا نہ آئے۔ دراصل قصور ان نوجوانوں کا بھی نہیں کیونکہ یہ فلسفہ انہوں نے زیادہ تر میڈیا سے ہی سیکھا ہے۔ ایک ٹی وی ٹاک شو میں دودھ سے دھلے ہوئے اینکر پرسن زور و شور سے چلا کر حکومت کے لتے لے رہے تھے اور بار بار ایک ہی جملہ دہرا رہے تھے کہ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو حکومت میرے خلاف کارروائی کر کے میرا پروگرام بند کیوں نہیں کرتی، مجھ پر مقدمہ کیوں نہیں چلاتی! گویا موصوف کی اپنی سچ بولنے کی کوئی ذمہ داری نہیں، ان کا فرض نہیں کہ وہ خود ان حدود و قیود کا لحاظ رکھیں جو قانون میں درج ہیں، تمام ذمہ داری حکومت کی ہے!

بات کچھ دور نکل گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ حکومت کو کوسنے دیتے رہیں کیونکہ بہر حال ارباب اختیار دھنیا پی کے سوئے رہتے ہیں اور ان کے کان پر اس وقت تک جوں نہیں رینگتی جب تک ان کے کان کے نیچے زناٹے دار تھپڑ نہ پڑے لیکن ہماری جیسی ترقی پذیر ریاستوں سے ان مراعات کی توقع رکھنا عبث ہے جو مغربی فلاحی ریاستوں میں دی جاتی ہیں۔ یہاں تعبیر کو اولیول چھوڑ کر پاؤں میں گھنگھرو باندھ کر ناچنا ہی پڑے گا کیونکہ اس کے لئے بوبرال جیسے باپ نے بھی کچھ نہیں کیا اور ماں جیسی ریاست بھی کچھ نہیں کرے گی۔

کالم کی دُم: سوات کی جعلی ویڈیو پر خورشید ندیم صاحب نے کالم لکھ کر فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ تاحال مجھے عدالت عظمیٰ کے اس فیصلے کی کاپی نہیں مل سکی جس میں اس ویڈیو کو جعلی قرار دیا گیا ہے، اگر کسی کے پاس وہ تفصیلی فیصلہ ہو تو براہ مہربانی مجھے ای میل کر دے۔